یتیم پوتے کی میراث

مولانا محمد ظفر عالم ندوی
استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

مذہب اسلام نے انسانی زندگی کے ہر شعبے میں ایسے اصول اور قوانین عطا کیے ہیں جو عدل، حکمت، توازن اور فطرت انسانی کے عین مطابق ہیں، انہی اصولوں اور قوانین میں ایک اہم قانون نظام میراث ہے، دنیا کے اکثر قوانین میں وراثت کے اصول انسانی عقل، معاشرتی تجربات یا وقتی ضرورتوں کے تحت مرتب کیے گئے، لیکن اسلام نے اس مسئلے کے اصول براہ راست وحی الٰہی کے ذریعے مقرر فرمائے ہیں، قرآن کریم نے میراث کا حصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: "فریضۃ من اللہ" یعنی یہ تقسیم اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ ہے۔

اسی لیے اسلامی قانون میراث میں انسانی خواہشات، وقتی جذبات اور معاشرتی دباؤ کو اصل بنیاد نہیں بنایا جاسکتا، یہی وجہ ہے کہ جب جدید دور میں یتیم پوتے کی میراث کا مسئلہ شدت سے اٹھایا گیا تو فقہائے اسلام نے اسے محض جذباتی مسئلہ قرار دینے کے بجائے اصولِ شریعت، نصوص قطعیہ، تعامل صحابہ اور قواعد فقہیہ کی روشنی میں دیکھا، لیکن بعض جدید قانونی نظریات کے حامل حضرات نے اس مسئلے میں نیابت وراثت کے تصور کو اختیار کیا ہے، جن کا مقصد قرآن کریم کے قطعی فیصلے کے خلاف بیٹے کی موجودگی میں یتیم پوتے کی وراثت کو ثابت کرنا ہے۔ لیکن تین باتیں اس میں اصل ہیں جن کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس موضوع پر گفتگو کرنے کے لئے ان کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔

میراث کے شرعی اصول:

پہلی اصل:

پہلی اصل یہ ہے کہ اسلام بلکہ ہر مذہب وملت میں میراث کی تقسیم کا معیار ضرورت وحاجت اور خدمت یا لیاقت یا قائم مقامی یا یتیم اور قابل رحم ہونے پر نہیں بلکہ قرابت پر ہے، ورنہ اگر ضرورت وحاجت پر مدار ہوتا تو ہر مالدار کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے، پوتے، باپ، دادا، بھائی، بہن جو فقیر نہ ہوں سب محروم رہتے اور بستی کے فقراء ومساکین اور یتیم وارث بنتے، نیز وصی بھی قائم مقام ہونے کی وجہ سے وارث ہوتا، یہ اصل مسلّمات عقلیہ میں داخل ہے، اور اجماعی

اور جملہ مذاہب میں متفق علیہ ہونے کے ساتھ قرآن مجید کی صریح نصوص سے بھی ثابت ہے۔تفصیلات آگے آرہی ہیں۔

دوسری اصل:

دوسری اصل أقرب فالأ قرب کی ہے کیونکہ جب وراثت کا مدار قرابت پر ہے تو ساری دنیا اولاد آدم ہونے کی وجہ سے آپس میں قرابت کا تعلق رکھتی ہے، اب اگر قرب و بعد کو معیار قرار دے کر أقرب کے ہوتے ہوئے أبعد کو محروم نہ کریں تو ہر انسان کی وراثت میں ساری دنیا کے انسان داخل ہوجاتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ اس طرح مرنے والوں کے ترکے تقسیم ہوا کریں تو کسی کو بھی کسی کے ترکے سے کوئی قابل انتفاع حصہ نہیں ملے گا، بلکہ بڑا سرمایہ بھی کوڑیوں میں بکھر کر ضائع ہوجائے گا، اس طرح ساری دنیا کو حق وراثت کا دلانا نہ ہی عقلاً ممکن ہے اور نہ ہی کسی مذہب میں اسے قابل عمل سمجھا گیا ہے، اس لیے عقلاً اور شرعاً ضروری ہے کہ قرب و بعد رشتے کو مدار کار ٹھہرا کر قریب کے ہوتے ہوئے بعید کو محروم قرار دیا جائے۔ ارشاد ربانی ہے:

"للرجال نصیب مما ترک الوالدان والأقربون" (۱)

دوسری آیت ہے:

"ولكل جعلنا موالی مما ترک الوالدان والأقربون" (۲)

ان دونوں آیات کریمہ میں لفظ ''الأقربونَ'' میں میراث کی علت کی تصریح ہے، پہلی آیت کی تفسیر میں امام قرطبی ؒ لکھتے ہیں:

قال علماءنا: فی هذه الآية فوائد ثلاث، احداها: "بیان علة المیراث وهی القرابة" (۳)

مذکورہ آیت میں جہاں وراثت کا مدار قرابت کو بتایا گیا وہیں ''أقرب فالأقرب'' کا قانون بھی واضح کردیا گیا ہے، اور قرب و بعد کے اصول کو انسانی عقل پر نہیں چھوڑا گیا، کیونکہ انسان کی کوتاہ نظری اس میں غلطی کرسکتی تھی تو اللہ تعالی نے وضاحت سے فرمادیا:

"اٰباؤكم وأبناؤكم لَاتَدرُونَ أيُّهم أقربُ لكم نفعا" (۴)

قرآن کریم میں جن رشتہ داروں کے حصے مقرر کردیئے گئے ہیں ان کو ذوی الفروض کہا جاتا ہے، ان سے بچنے والا مال جن میں تقسیم ہوگا ان کو عصبات کہا جاتا ہے، اس تقسیم میں اس اصول کا لحاظ ہے کہ جو رشتہ دار جتنا قریب ہوگا وہ پہلے مستحق ہوگا، اسی لئے ارشاد نبوی کے ذریعہ اس کی قطعیت کے ساتھ اصول بیان کیا گیا ہے۔ بخاری کی روایت ہے:

عن ابن عباس رضی الله عنهما عن النبی ﷺ قال: "ألحقوا الفرائضَ بأهلها فما بقی فهو لأَولٰی رجلٍ ذكرٍ" (۵)

اس حدیث کے مفہوم پر امت کا اجماع ہے، اسی پر امت کا عمل بھی ہے، اکثر کتب حدیث میں یہ روایت موجود ہے۔ (٦)

حافظ ابن حجرؒ امام نوویؒ کے حوالہ سے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

قال النووی علیہ الرحمۃ : اجمعوا علی أن الذی یبقی بعد الفروض للعصبۃ یقدم لأقرب فالأقرب فلا یرث عاصب بعید مع عاصب قریب۔(۷)

اس دوسری اصل کے ضمن میں وراثت میں ’’حجب‘‘ کا قانون آتا ہے، حجب کا مفہوم یہ ہے کہ قریب رشتہ دار کی موجودگی میں بعید رشتہ دار محروم ہوتے ہیں، جس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ ہے کہ کسی رشتہ دار کی وجہ سے دوسرے رشتہ دار کا حصہ کم ہو جائے، جس کو ’’حجب نقصان‘‘ سے تعبیر کیا جاتا ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ ایک رشتہ دار کی وجہ سے دوسرا رشتہ دار بالکلیہ محروم ہو جائے، اس کو ’’حجب حرمان‘‘ کہا جاتا ہے، حجب کا قاعدہ کتاب وسنت کی صریح نصوص سے ثابت ہے، آیات المواریث میں اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے، اور فقہاء کرام نے اپنے اپنے انداز میں اس کے احکام مرتب کئے ہیں۔

علامہ علاء الدین الحصکفی صاحب الدر المختار بیان کرتے ہیں :

ثم شرع فی الحجب فقال(ولایحرم ستۃ)من الورثۃ (بحال)البتۃ (الأب والأم،والابن والبنت) ای الأبوان والولدان (والزوجان) وفریق یرثون بحال ویحجبون حجب الحرمان بحال أخری وھم غیر ھؤلاء الستۃ سواء کانوا عصبات أو ذوی فروض وھو مبنی علی أصلین: أحدھما (أنہ یحجب الأقرب ممن سواھم الأبعد) لما مر أنہ یقدم الأقرب فالأقرب اتحد فی السبب أم لا، والثانی: أن من أدلی بشخص لایرث معہ۔(۸)

قانون حجب کی رو سے جہاں بیٹے کی موجودگی میں پوتے محجوب (محروم) ہوتے ہیں، وہیں دیگر رشتہ دار بھی دوسرے قریبی رشتہ داروں کی موجودگی میں محروم ہوتے ہیں۔ جن میں چند مثالیں حسب ذیل ہیں:

۱) ماں کی موجودگی میں جدات (دادی، نانی) بالاتفاق محجوب ہوتی ہیں۔

۲) باپ کی وجہ سے بھائی اور بہنیں محجوب ہوتی ہیں۔

۳) بیٹے، پوتے اور والد کی وجہ سے سگے بھائی محجوب ہو جاتے ہیں۔

۴) اخیافی بھائی اولاد، پوتوں، نواسوں، والد اور دادا کے ساتھ بالاتفاق محجوب ہو جاتے ہیں۔(۹)

خلاصہ یہ کہ نصوص شرعیہ سے یہ ثابت ہے کہ احکام میراث کا مدار اقربیت پر ہے، اور اس میں حجب حرمان و حجب نقصان کا اصول جاری ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قریب کی موجودگی میں بعید محروم ہوتا ہے، یہی اصول ذوی الارحام میں بھی جاری ہوتا ہے اور ان میں بھی قرب و بعد کا لحاظ ضروری ہے۔ ارشاد باری ہے:

وأولو الأرحام بعضھم أولی ببعض فی کتاب اللہ۔(۱۰)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

"للرجال نصيب مما ترک الوالدان والأقربون وللنساء نصيب مما ترک الوالدان والأقربون" (١١)

ترمذی اور نسائی کی روایت میں ہے:

"الخال وارث من لا وارث له" (١٢)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے قول کے مطابق ذوی الفروض اور عصبات کے موجود نہ ہونے کی صورت میں ذوی الارحام وارث بنتے ہیں، صحابہ کرامؓ اور تابعین کی ایک جماعت اور فقہاء میں ائمہ احناف نے اسی قول کو اختیار کیا ہے، اسکی بنیاد سورۃ الانفال کی مذکورہ آیت ہے۔

فتاوی صحابہ میں پوتے کی میراث:

اقربیت اور حجب کے قاعدہ پر مبنی پوتے کی میراث کی صراحت فتاوی صحابہ میں موجود ہے، جس کو امام بخاری نے نقل کیا ہے۔آپ لکھتے ہیں:

باب ميراث ابن الابن اذا لم يكن ابن وقال زيد: ولد الابناء بمنزلة الولد اذا لم يكن دونهم ولد ذكرهُم كذكَرِهم، وأبنائهم كأبنائهم، يرثون كما يرثون، ويحجبون كما يحجبون، ولا يرث ولد الابن مع الابن۔ (١٣)

حضرت زید بن ثابتؓ کے اس فتوی کی بنیاد کتاب وسنت کی صریح نصوص پر ہے، اور اس فتوی پر پوری امت کا اجماع ہے، صحابہ کرامؓ میں سے کسی کا اختلاف منقول نہیں ہے، جمہور ائمہ مجتہدین نے یہی مسلک اختیار کیا ہے، میراث کے احکام میں حضرت زید بن ثابتؓ کے فتوی کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا: أفرضُكم زيد (تم میں سب سے زیادہ علم فرائض جاننے والے زید بن ثابت ہیں)۔یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام کا اس بات پر اجماع تھا کہ فرائض میں زید بن ثابتؓ امام ہیں، اور عملا بھی جب کسی مسئلہ میں اختلاف یا اشتباہ ہوتا تو زید بن ثابتؓ ہی کا قول قول فیصل ہوتا۔

ابو اسحاق شیرازی شافعی طبقات فقہاء میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ فتوی، علم الفرائض اور قراءۃ میں حضرت زید بن ثابتؓ کے بالمقابل کسی کو آگے نہیں کرتے:

"كان عمر وعثمان لا يقدمان على زيد احداًفي الفتوى والفرائض والقراءة"۔

آگے لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے مقام جابیۃ میں خطبہ دیا اور فرمایا کہ جو فرائض میں کچھ معلوم کرنا چاہے وہ زید بن ثابتؓ سے دریافت کرے:

"من أراد أن يسأل عن الفرائض فليأت زيد بن ثابت رضي الله عنه۔ (١٤)

اس سے صاف ہوجاتا ہے کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ بیٹے کی موجودگی میں پوتا محجوب (محروم) ہوتا ہے، اور

اگر ذوی الفروض نہ ہوں تو عصبہ ہونے کی حیثیت سے سارا مال بیٹے کو ملے گا، اور اگر ذوی الفروض ہوں تو باقی ماندہ مال بیٹے ہی کو ملے گا۔ابوالولید الباجی امام مالک کا مسلک نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

انه لامیراث لابن الابن مع الابن لأنه أقرب سبباً منذ الی میت وهما یُدلیان بالبنوة ولان ابن الابن یُدلی بالابن ومن یُدلی بعاصب فانه لایرث معه،وعلى هذا جمهور الفقهاء من الصحابة والتابعین۔(۱۵)

فقہاء حنفیہ نے یہی قول اختیار کیا ہے۔ابن عابدینؒ صراحت کرتے ہیں:

والثانی (أن من أدلی بشخص لایرث معه) کابن الابن لایرث مع الابن۔(۱۶)

علامہ قرافی نے مالکیہ کے مسلک کی صراحت ان الفاظ میں کی ہے:

"فنقول لایحجب ابن الابن الا الابن"۔(۱۷)

ابوالحسن احمد بن محمد المحاملی الشافعیؒ نے اللباب فی الفقہ الشافعی میں اپنے مسلک کی ترجمانی ان الفاظ میں کی ہے:

والحجب عشرة لایرثون مع العشرة، ابن الابن لایرث مع الابن۔(۱۸)

امام ابن تیمیہؒ نے المحرر فی الفقہ علی مذہب الامام احمد بن حنبل میں فقہ حنبلی کی صراحت اس طرح کی ہے:

"ولایرث ولد الابن مع الابن بحال"(۱۹)

(پوتا کسی حالت میں بیٹے کے ساتھ وارث نہیں ہوتا)

خلاصہ یہ کہ آیات قرآنی، احادیث نبوی، فتاوی صحابہ، میں یہ صراحت موجود ہے کہ بیٹے کی موجودگی میں پوتا مجحوب (محروم) ہوتا ہے، اورفقہاء کرام نے بالاتفاق اس مسئلہ کو اختیار کیا ہے جس پر امت کا اجماع ہے۔

تیسری اصل:

تیسری اصل یہ ہے کہ کوئی شخص کسی شخص کی زندگی میں اس کا وارث نہیں ہوسکتا، بلکہ مرنے کے بعد ہی وراثت کا استحقاق ہوتا ہے، آیات قرآنی میں مما ترک ، مما ترکن ، مما ترکتم کے الفاظ بار بار آئے ہیں ۔یعنی قانون وراثت کی بحث کا موضوع ہی تقسیم ترکہ ہے، نہ کوئی مال کسی کی زندگی میں ترکہ ہوسکتا ہے اور نہ اس مال میں بحیثیت وارث کسی کا حق پیدا ہوسکتا ہے، اورترکے میں حق وراثت صرف زندہ وارثوں کا ہوتا ہے مورث سے پہلے مرجانے والے ورثاءکو سرے سے شمار ہی نہیں کیا جاتا، قرآن کی صراحت ہے:

"وان کان رجل یُورَث کلالة أو امرءاة وله أخ او أخت"(۲۰)

کلالہ اسے کہتے ہیں جس کا نہ باپ زندہ ہو نہ بیٹا، تو کیا یہاں یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ کوئی شخص بے باپ کے حضرت عیسی علیہ السلام کی طرح پیدا ہوا ہو، ظاہر ہے کہ باپ تھا اور مرگیا، لہذا اسکے وارث ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا، اسی طرح ابوداوَد ونسائی کی حدیث بروایت بریدہؓ موجود ہے:

أن النبی ﷺ جعل للجدةِ السدسَ اذا لم تکن دو نہا أمٌ (۲۱)

اس حدیث میں "اذا لم تکن دو نہا أم" سے کیا یہ مراد لیا جا سکتا ہے کہ سرے سے ماں ہی نہیں ہے، یا صاف صاف یہ مطلب ہوگا کہ ماں تو تھی لیکن مورث سے پہلے مرگئی۔

اگر قریبی رشتہ دار کو مرنے کے بعد بھی مستحق وراثت سمجھا جائے تو چاہیے کہ دنیا میں کوئی شخص بھی کسی کا وارث نہ ہو، کیونکہ مرنے کے بعد مورث کا نفس اس کی طرف سب سے زیادہ اقرب ہے،لہذا مورث خود اپنے مال کا مستحق ہوگا۔

پس اس معاملے میں پوری امت متفق ہے کہ وراثت کے حق کی بحث کا تعلق صرف ان ورثاء سے ہے جو مورث کی موت کے وقت زندہ ہوں، مورث سے پہلے مرنے والوں کا کسی قسم کا استحقاق شریعت اسلامی کے نظام قانون میں نہیں پایا جاتا۔(۲۲)

ان تین بنیادی اصولوں کو بیان کرنے کے بعد اب ہم ان نظریات کا تجزیہ کرتے ہیں جو یتیم پوتے کو حصہ دلوانے کے لیے پیش کئے جاتے ہیں۔

پہلا نظریہ:

پوتے زیادہ صاحب ضرورت اور حاجت مند و قابل رحم ہیں، اور بعض دفعہ چچا کی بنسبت زیادہ خدمت گزار ہوا کرتے ہیں، یہ نظریہ اصل اول سے ٹکراتا ہے، یعنی وراثت کا استحقاق ضرورت، حاجت اور قابل رحم ہونے یا خدمت و لیاقت پر مبنی نہیں، بلکہ اس کا معیار قرابت داری پر ہے، لیکن بعض لوگ کسی خاص صورت میں جذبہ رحم کی وجہ سے قرآن کے قطعی اصل کو ٹھکرا دینا چاہتے ہیں، تفصیلی جزیات میں بہت سے مواقع رحم پائے جاتے ہیں۔ مثلا: زوجہ مفقود، منکوحہ صغیر اور مطلقہ ثلاث وغیرہ صورتوں میں بعض دفعہ عورت غریب و مسکین ہوتی ہے اور اس کا کوئی رشتہ دار یا کفیل بھی موجود نہیں رہتا، اور اسی طرح اولاد نرینہ (خواہ پوتا ہی ہو) کی وجہ سے حقیقی بہن محروم ہو جاتی ہے، خصوصا جبکہ یہ بہن بیوہ ہو اور عیال رکھتی ہو، اس کے خاوند نے کوئی ترکہ نہ چھوڑا ہو، ایسے ہی وہ نواسی جس کی والدہ اپنے والد کی زندگی میں فوت ہوگئی ہو۔ لہذا اگر جذبہ رحم کو بنیاد بنایا جائے تو قانون وراثت کے بنیادی اصول باقی نہیں رہ سکیں گے۔

دوسرا نظریہ:

یہ بیان کیا جاتا ہے کہ قانون میراث میں تقدم و تاخر کا ضابطہ ہی ختم کر دیا جائے تو یتیم پوتے بیٹوں کے ساتھ شامل ہو کر میراث پالیں گے، یہ نظریہ اصل دوم یعنی الأقرب فالأقرب کے قانون سے ٹکراتا ہے، کیونکہ ایک میت کے مرنے سے اس کے تمام زندہ رشتہ دار بیک وقت وارث ہو جائیں گے، خواہ درجۂ قرابت میں کتنا ہی تفاوت ہو، اس صورت کے اختیار کرنے میں اجماع کے ساتھ نصوص کی صریح مخالفت لازم آئے گی۔

تیسرا نظریہ:

متجددین تیسرا نظریہ یہ پیش کرتے ہیں کہ آیت کریمہ:

یوصیکم اللہ فی أولادکم للذکر مثل حظ الأنثیین (۲۳)

اس میں لفظ اولاد کے تحت بیٹوں، پوتوں، پڑپوتوں سب کو جمع کر دیا جائے اور سب کو ایک ہی درجے میں لاکر ان پر مساویانہ تقسیم کی جائے، یہ اجتہادی تجویز بھی اصل دوم الأقرب فالأقرب سے ٹکراتی ہے۔

اس طرح "یوصیکم اللہ فی ألادکم" میں دو احتمال پیدا ہوگئے، ایک یہ کہ بلاواسطہ اولاد مراد ہو، دوسرے یہ کہ عام معنی مراد ہوں جس میں اولاد کی اولاد یعنی پوتے بلکہ نواسے بھی شامل ہوں، اب اگر آیت مذکورہ میں دوسرے معنی مراد لیے جائیں تو معنی یہ ہوں گے کہ صلبی بیٹے، پوتے اور نواسے خواہ ان کے باپ زندہ ہوں یا وفات پاگئے ہوں سب کے سب اس حکم میں شامل ہوں گے اور بیٹوں کے ساتھ برابر کا حصہ پائیں گے، اس مفہوم کے لینے سے آیت کا اصل حکم ختم ہو جائے گا اور نئی پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں گی۔(۲۴)

لہذا اولاد کو عام معنی میں لینا نہ اصولی طور پر معقول ہے کہ قریب و بعید کو یکساں حصہ ملے اور نہ ہی عہد رسالت و خلفائے راشدین اور نہ ہی بعد کے ادوار میں کہیں ایسا عمل ہوا، اور نہ پوری امت محمدیہ میں کوئی اس کا قائل ہے، جب یہ اصول مسلم ہے کہ والد کی موجودگی میں پوتا اپنے دادا کا وارث نہیں ہے کیونکہ اقرب الی المیت اس پوتے کا والد ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ پوتے کو ولد کے وسیع مفہوم میں داخل کرنا مجازاً ہے، اور حقیقت کی موجودگی میں مجاز کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا، اگر ولد کے مفہوم میں پوتا حقیقتاً داخل ہے تو باپ کی موجودگی میں بھی پوتے کو ضرور حصہ ملنا چاہیے۔(۲۵)

چوتھا نظریہ:

یہ پیش کرتے ہیں کہ ذوی الفروض کی طرح بیٹے اور پوتے میں بھی قرب و بعد کا لحاظ رکھتے ہوئے بیٹے کو زیادہ حصہ دیا جائے اور پوتے کو کم، یہ صورت بھی اصل دوم سے ٹکراتی ہے کہ عصبات میں حجب نقصان ممکن نہیں، بلکہ ان کا حصہ معین نہ ہونے کی وجہ سے ان میں الأقرب فالأقرب کا قانون جاری کرنے کی صرف یہ صورت ہے کہ قریب کی موجودگی میں بعید بالکل محروم رہے، اگر کوئی بلحاظ قرب و بعد کے بیٹے اور پوتے کو کم و بیش حصہ دینا چاہے تو اس کمی بیشی کا معیار کیا ہوگا؟ اگر اپنی طرف سے کوئی معیار مقرر کرلیا جائے، مثلا: بیٹے کو دو بٹا تین اور پوتے کو ایک بٹا تین دیا جائے تو کیا یہ قرآن پر زیادتی نہیں ہوگی؟

الغرض یتیم پوتے پر رحم کھا کر قانون شرعی میں ترمیم کرنا بہت سے لوگوں پر بے رحمی کا سبب بنے گا، اور احکم الحاکمین اور اس کے رسول امین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اٹل قانون میں مداخلت لازم آئے گی۔

پانچواں نظریہ:

معترضین پانچواں نظریہ قائم مقامی کا پیش کرتے ہیں، یعنی جو تعلق بالواسطہ ہونے کی وجہ سے مرتبہ ثانی پر ہوتا ہے وہ واسطے کے بیچ میں سے ہٹ جانے پر مرتبہ اول پر آجاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ فقہائے متقدمین نے خود قائم مقامی کا نظریہ اختیار کیا ہے، جیسے حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کے قول ”الجدُ ابٌ“ کے تحت باپ کا حصہ دادا کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، جب باپ کی خالی جگہ کو دادا پر کرسکتا ہے تو بیٹے کی خالی جگہ کو پوتا کیوں نہیں پر کرسکتا، یہ صورت بھی اصل دوم سے ٹکراتی ہے، اور پوتے کو دادا پر قیاس کرنا باطل ہے، چچا کی موجودگی میں پوتے کو بیٹے کا قائم مقام کر کے چچا کے برابر کر دینے سے الأقرب فالأقرب کا قانون ٹوٹ جاتا ہے، اور باپ کی غیر موجودگی میں دادا کو باپ کے قائم مقام کرنا الأقرب فالأقرب کے خلاف نہیں ہے، حقیقت یہ ہے کہ ایک شخص کے متعدد بیٹے ہو سکتے ہیں مگر باپ متعدد نہیں ہو سکتے۔

الأقرب فالأقرب کے قانون کا حاصل یہ ہے کہ درجۂ اول میں سے جب تک کوئی فرد موجود ہو درجۂ دوم کا کوئی فرد بھی وارث نہ ہوگا، درجۂ اول میں سے اگر کوئی موجود نہیں تو درجۂ دوم کے افراد درجۂ اول کے قائم مقام ہوں گے، یہی قانون اصول اور فروع میں دونوں طرف جاری ہوتا ہے، لہذا جب تک کوئی بیٹا موجود ہوگا پوتا وارث نہیں ہو سکے گا، اور باپ چونکہ ایک ہی ہوسکتا ہے اس لیے اس کی عدم موجودگی میں درجۂ اول خالی ہونے کی وجہ سے درجۂ دوم میں سے دادا کو اس کا قائم مقام کر کے میراث دلائی جاتی ہے۔

غرض کہ باپ کے مرنے پر دادا کو اس کا قائم مقام اس لیے کیا جاتا ہے کہ درجۂ اول خالی ہے اور چچا کی موجودگی میں پوتے کو بیٹے کا قائم مقام اس لیے نہیں کیا جاتا کہ درجۂ اول خالی نہیں بلکہ اس میں چچا (میت کا بیٹا) موجود ہے، اگر چچا نہ ہو تو پوتا بھی بیٹے کے قائم مقام ہوگا البتہ اہل عقل کا اجماع ہے کہ واسطہ مر جانے سے ابعد اقرب نہیں ہوتا۔

چھٹا نظریہ:

اسی طرح چھٹا نظریہ یہ پیش کیا جاتا ہے کہ یتیم پوتا اگر چہ بذات خود وارث نہیں ہے لیکن وہ اپنے باپ کا حصہ دادا سے لینے کا حقدار ہے، یہ صورت میراث کی تیسری اصل سے ٹکراتی ہے، یعنی اس تصور کو قبول کرنے کے لیے ہمیں شریعت کا یہ بنیادی اصول ختم کرنا پڑے گا کہ کسی شخص کی زندگی میں اس کے مال پر کسی کا حق میراث نہیں لگ سکتا، اور یہ اصول بھی ختم کرنا ہوگا کہ تقسیم ترکہ کے وقت زندہ وارثوں کے ساتھ کسی مردہ وارث کو مستحق نہیں بنایا جا سکتا، اگر اس اصول سے آزاد ہ کر قانون سازی کی جائے تو صرف پوتے کے لیے ہی اس کے مردہ باپ کو زندہ نہ رکھنا ہوگا بلکہ ہر ترکہ تقسیم کرتے وقت جملہ ممکن وارثوں کو زندہ فرض کرنا پڑے گا اور اس طریقے سے جو رشتہ دار بھی فوت ہو گئے ہوں ان میں ہر

ایک کو حصہ دینا ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ قرآن میں تو پوتوں کا ذکر نہیں اور اجماعی فیصلے میں یتیم اور غیر یتیم ہر قسم کے پوتے ایک ہی حکم میں ہیں، اب یتیم پوتے کو دوسرے پوتوں سے ممتاز کر کے دادا کی وراثت دینا نصوص قرآنی اور احادیث نبوی کے خلاف ہے، جو کسی صورت میں باجماع امت قابل قبول نہیں ہے۔

حواشی:

۱۔سورۃ النساء:۷

۲۔سورۃ النساء:۳۲

۳۔القرطبی: أبوعبداللہ محمد بن احمد، الجامع لأحکام القرآن، دارالکتب المصریۃ القاھرۃ:۱۳۸۴ھ، جلد ۵ /ص ۴۶

۴۔سورۃ النساء:۱۱

۵۔الجامع الصحیح للبخاری کتاب الفرائض باب میراث الولد من أبیہ وأمہ، مطبع دارطوق النجاۃ، ۱۴۲۲ھ/ حدیث نمبر ۶۷۳۲

۶۔الجامع الصحیح لمسلم: حدیث نمبر ۱۶۱۵، جامع الترمذی: حدیث نمبر ۲۰۹۸

۷۔فتح الباری لابن حجر عسقلانیؒ ۱۲ / ۱۳ دارالمعرفۃ بیروت ۱۳۷۹ھ

۸۔الدرالمختار مع ردالمحتار ۶ / ۷۸۰، دارالفکر بیروت ۱۴۱۲ھ

۹۔المبسوط للسرخسی جلد ۲۹ /ص ۱۶۹، دارالفکر بیروت ۱۴۱۴ھ

۱۰۔سورۃ الأنفال:۷۵

۱۱۔سورۃ النساء:۷

۱۲۔السنن الترمذی: حدیث نمبر ۲۱۰۴، السنن النسائی:۶۳۱۸

۱۳۔الجامع الصحیح للبخاری کتاب الفرائض باب میراث ابن الابن۔۔۔، حدیث نمبر ۶۷۳۲، دارطوق النجاۃ ۱۴۲۲ھ

۱۴۔طبقات الفقھاء لابی اسحاق الشیرازی الشافعی، ص۴۶، تحقیق وتقدیم: الدکتور احسان عباس، مطبع: دارالرائد العربی، بیروت، لبنان ۱۹۷۰ء

۱۵۔المنتقی شرح المؤطا ۶ / ۲۲۶ للباجی ابوالولید سلیمان بن خلف، مطبع السعادۃ مصر ۱۳۳۲ھ

۱۶۔ردالمحتار ۶ / ۷۷۹، دارالفکر بیروت ۱۴۱۲ھ

۱۷۔الذخیرۃ للقرافی ابوالعباس أحمد بن ادریس المالکی، جلد ۱۳ /ص ۴۲، دارالغرب الاسلامی بیروت ۱۹۹۴ء

۱۸۔اللباب فی الفقہ الشافعی: ص ۲۷۳، دارالبخاری، المدینہ السعودیۃ ۱۴۱۶ھ

۱۹۔المحرر فی الفقہ علی مذھب الامام احمد بن حنبل لابن تیمیہ: ابوالبرکات عبدالسلام الحرانی، جلد ۱ /ص ۳۹۶، مکتبہ المعارف،

الریاض ۱۴۰۴ھ

۲۰۔النساء:۱۲

۲۱۔سنن ابی داؤد:۲۸۹۵،والنسائی:٦۳۰۴

۲۲۔ماخوذ از:احسن الفتاوی جلد ۱/صفحہ نمبر ۱٦۱-۱٦٦

۲۳۔النساء:۱۱

۲۴۔جواہر الفقہ جلد ۷/صفحہ ۱۳۰

۲۵۔ماخوذ از:احسن الفتاوی:جلد ۱/ص ۱٦۸